20

دین کے لیے زندگی وقف کرنے والے وقف کی حقیقت سمجھیں

(فرمودہ 26 ؍ مئی 1944ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"آج مَیں ایک ایسے امر کے متعلق کچھ کہنا چاہتا تھا جو بعض اہم مضامین پر مشتمل تھا اور جس کے متعلق مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کا جماعت کے مختلف حصوں تک پہنچنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن چونکہ لاؤڈ سپیکر کی حالت ٹھیک نہیں پہلے تو بند ہی تھا اب کہتے ہیں کبھی بند ہو جاتا ہے اور کبھی کھل جاتا ہے مَیں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے کیونکہ مَیں اس مضمون کو ایسی حالت میں بیان کرنا نہیں چاہتا کہ اس کا سب تک پہنچنا خطرے میں ہو۔ اس لیے مَیں آج اختصاراً ایک دو اَور باتوں کی طرف جماعت کو توجہ دلا دیتا ہوں جن کی طرف پہلے بھی توجہ دلائی جا چکی ہے۔ لیکن پھر بھی ہر امر ایک دفعہ بیان کرنے سے ذہن نشین نہیں ہو جاتا بلکہ بعض امور کے متعلق متواتر اور بار بار توجہ دلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض امور تو صدیوں تک بیان کرنے کے باوجود پھر بھی پورے طور پر ذہن نشین نہیں ہو سکتے۔

سب سے پہلی بات جس کی طرف مَیں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے زندگیاں وقف کی ہیں اُن میں سے بعض کے متعلق یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ وہ 25 مئی تک انٹرویو کے لیے قادیان پہنچ جائیں تا کہ ان کے متعلق یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ سلسلہ ان کا وقف قبول کرنے کے لیے تیار ہے یا نہیں یا سلسلہ انہیں کس کام پر مقرر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سلسلہ میں بعض لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو وقف کیا تھا وقت پر حاضر نہیں ہوئے۔ مَیں تحقیقات کروں گا کہ اُن کے وقت پر حاضر نہ ہونے کی ذمہ داری تحریک جدید کے دفتر پر ہے یا اُن پر ہے۔ اگر تحقیقات کے بعد یہ ثابت ہوا کہ اس کی ذمہ داری دفتر تحریک جدید پر ہے اور اُس نے میرے کہنے کے باوجود ان لوگوں کو اطلاع نہیں دی تو اس صورت میں اس کی سرزنش اور پُرسش کا مستحق دفتر تحریک جدید ہو گا۔ لیکن اگر یہ ثابت ہوا کہ ان لوگوں کو اطلاع تو مل گئی تھی مگر باوجود اطلاع مل جانے کے وہ نہیں آئے اور کم سے کم انہوں نے یہ اطلاع بھی نہیں دی کہ ہم وقت پر فلاں مجبوریوں کی وجہ سے حاضر نہیں ہوسکتے۔ تو ایسے احمدی جنہوں نے اپنے آپ کو وقف کیا تھا انہیں یاد رہنا چاہیے کہ اب ان کو انٹرویو کے لیے نہیں بلایا جائے گا۔ بلکہ ان کو اس لیے بلایا جائے گا کہ کیوں نہ اُن کو اس جُرم کی بناء پر سلسلہ سے خارج کر دیا جائے۔

مَیں بارہا بتا چکا ہوں کہ وقف جہاد کا ایک حصہ ہے۔ ہر وہ شخص جو وقف کو کھیل سمجھتا ہے وہ اپنی بے ایمانی پر مُہر لگاتا ہے اور اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اس کو درحقیقت سلسلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ وہ ایک کھیل اور تماشا سمجھ کر اس جماعت میں داخل ہوا تھا۔ قرآن کریم میں نہایت وضاحت سے فرمایا گیا ہے کہ جہاد میں حصہ لینے والے شخص کے لیے جہاد میں مر جانا یا فتح حاصل کرکے واپس لَوٹنا یہ دو ہی چیزیں ہیں۔ اگر کوئی شخص موقع سے پیچھے ہٹتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوزخ کے سوا اُس کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ آج اسلام ایسی مصیبت میں مبتلا ہے جس کا اندازہ لگانا بھی انسانی قیاس اور واہمہ سے باہر ہے۔ آج دنیا میں ہر شخص کے لیے ٹھکانا ہے لیکن اگر ٹھکانا نہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے دین کے لیے۔ جیسے حضرت مسیح ناصریؑ نے کہا تھا کہ

پرندوں کے لیے گھونسلے ہیں اور درندوں کے لیے غاریں لیکن ابن آدم کے لیے سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں۔2 یہی حال آج اسلام کا نظر آرہا ہے۔ آج دنیا میں ہر قوم کے لیے ٹھکانا ہے لیکن اسلام کے لیے کوئی ٹھکانا نہیں۔ اگر ہندوستان میں مسلمان ہیں تو وہ ہندوؤں اور انگریزوں کے رحم پر ہیں۔ اگر ہندوستان سے باہر مسلمان ہیں تو وہ کُلّی طور پر عیسائیوں کے رحم پر ہیں۔ مصر ہے تو وہ بھی انگریزوں کے رحم پر ہے۔ پہلے اس میں فرانسیسی بھی شامل تھے مگر اب وہ انگریزوں کے رحم پر ہی ہے، ٹرکی ہے تو وہ بھی انگریزوں اور دوسروں کے رحم پر ہے، ایران ہے تو وہ بھی انگریزوں اور روسیوں کے رحم پر ہے، افغانستان ہے تو وہ بھی انگریزوں اور روسیوں کے رحم پر ہے۔ کوئی احمق اور جاہل اور کُودن3 شخص ہی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ان حکومتوں کو کوئی طاقت حاصل ہے۔ اس قسم کے پاگل لوگ ہی تھے جو آج سے پچاس سال پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ ٹرکی کا بادشاہ جب باہر نکلتا ہے تو یورپ کے بارہ بادشاہ اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر چلتے ہیں۔ اِسی طرح کوئی پاگل اور احمق ہی ٹرکی اور ایران اور مصر اور عرب اور افغانستان کی حکومتوں کے متعلق یہ خیال کر سکتا ہے کہ ان کو یورپین حکومتوں کے مقابلہ میں کوئی طاقت حاصل ہے۔ ان کے پاس اگر حکومت ہے تو محض اس لیے کہ دنیا کے پردہ پر چند بڑی بڑی کھیل کرنے والی حکومتیں یہ سمجھتی ہیں کہ بظاہر ان ملکوں کا آزاد رہنا ہمارے لیے مفید ہے۔ جس طرح بلی چوہے سے کھیلتی ہے اِسی طرح وہ لوگ اِن ملکوں سے کھیل رہے ہیں۔ پس بے شک اِن کو آزادی حاصل ہے مگر یہ آزادی اُس ترحُّم کی وجہ سے ہے یا اُن اغراضِ فاسدہ کی وجہ سے ہے جو یورپین لوگوں کو انہیں آزاد رکھنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ ورنہ دیکھ لو وہی ایران جس کے متعلق یہ کہتے تھے ایران ہمارا دوست ہے، ایران ہمارا بھائی اور ایران ہمارا برادر ہے۔ اسی دوست، اسی بھائی اور اسی برادر کے متعلق جس دن انہیں معلوم ہوا کہ وہ جرمنوں کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے اُسی دن انہوں نے اس کے بادشاہ کو پکڑ کر ملک سے باہر نکال دیا اور خود اس پر قبضہ کر لیا۔ گویا وہی جسے وہ سچا دوست اور ہمارا بھائی کہہ کہہ کر پکارتے تھے چند دنوں کے اندر اندر ان کا چپڑاسی اور ان کا غلام اور ان کا قیدی بن گیا۔ بھلا ایسا سلوک کوئی دوسری طاقت انگریزوں سے، امریکہ والوں سے یا روس والوں سے کر سکتی تھی؟

اب تو روس اپنی مرضی سے انگریزوں کے ساتھ ہے لیکن اگر وہ انگریزوں کے ساتھ نہ ہوتا بلکہ جرمنوں کی تائید میں ہوتا تو کیا انگریز اور امریکن روس سے کہہ سکتے تھے کہ اگر تم جرمنوں کو اپنے ملک سے نہیں نکالو گے تو ہم تمہارے ملک پر جنگی مفادات کے لیے قبضہ کر لیں گے؟ اور وہ ایسا کبھی نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ روس ایک طاقت ہے۔ اور ایران کے متعلق وہ سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی طاقت نہیں۔ وہ ایک مسکین اور غریب ملک ہے، جدھر اس کی ناک موڑو وہ مُڑ جائے گا۔ پس چاہے وہ اِس ملک کو آزاد کہہ دیں، چاہے اِسے اپنا بھائی کہہ دیں، چاہے اِسے اپنا برادر قرار دیں، چاہے اِس کی حکومت کو اپنے بھائی کی حکومت قرار دیں پھر بھی اِس کے معنے یہی ہوں گے وہ ہمارا غلام ہے، وہ ہمارا چپڑاسی ہے، وہ ہمارا قیدی ہے۔ بلکہ مَیں کہتا ہوں اگر وہ یہ بھی کہیں کہ شہنشاہِ ایران ہمارا سر تاج ہے تو بھی اِس کے یہی معنے ہوں گے کہ اِس غلام کو ہم اِتنے دن ظاہر میں آزاد رکھنا چاہتے ہیں اِس سے زیادہ اس کے کوئی معنے نہیں۔

غرض دنیا میں اسلام سے بڑھ کر اَور کوئی بے کس نہیں۔ بے شک مسلمان تعداد کے لحاظ سے کافی ہیں مگر وہ تعداد ایسی ہے جو مختلف ملکوں میں بکھری ہوئی ہے اور اس انتشار کی وجہ سے مسلمانوں سے بہت زیادہ ہندوؤں کو طاقت حاصل ہے۔ کیونکہ ہندو جتنے بھی ہیں سب ایک ملک میں ہیں، سب ایک جگہ اکٹھے ہیں، ایک ہی ملک میں وہ تیس کروڑ تک پہنچے ہوئے ہیں۔ مگر چالیس کروڑ مسلمان وہ ہیں جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایک جگہ پر تیس کروڑ آدمیوں کو جو طاقت حاصل ہو سکتی ہے وہ ان چالیس کروڑ آدمیوں کو حاصل نہیں ہو سکتی جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہوں۔ اگر ایک خاندان کے دس آدمی شہر کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہوں تو چور یقیناً ان کے گھر پر حملہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ دس آدمی اپنے گھر میں اکٹھے ہوں تو چور ان کے گھر پر حملہ کرنے سے ڈرتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ شاید یہ دس آدمی لٹھ لے کر کھڑے ہو جائیں اور میرا سر پھوڑ دیں۔ پس گو بظاہر سیاستاً بظاہر کمزور نظر آتے ہیں مگر ان کی پوزیشن اور ان کا مقام ایسا ہے جس نے انہیں مسلمانوں سے زیادہ طاقتور بنایا ہوا ہے۔ ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے ذریعہ اسلام کو ایک نئی زندگی اور نئی حیات بخشنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پس چاہے اِس کو کوئی شکل دے دو، چاہے اِس کا کوئی نام رکھ لو بہر حال یہ ایک جہاد ہے جو اسلام کے احیاء کے لیے جاری ہے اور ہر شخص کا فرض ہے کہ اس جہاد میں شامل ہو۔ اگر کسی وقت نظامِ سلسلہ کی طرف سے کسی شخص کو اِس جہاد میں شامل ہونے کے لیے نہیں بلایا جاتا تو وہ گنہگار نہیں۔ لیکن اگر کسی شخص کو بلایا جاتا ہے اور بلایا بھی ایسی صورت میں جاتا ہے جب وہ طوعی طور پر اپنا نام پیش کر چکا ہوتا ہے اور اُسے کہا جاتا ہے کہ فلاں وقت حاضر ہو جاؤ تو اس کے بعد اگر وہ مقررہ وقت پر پہنچنے میں ایک منٹ کی بھی دیر کر دیتا ہے تو وہ باغی ہے اور وہ اس قابل ہے کہ اُسے جماعت سے خارج کر دیا جائے۔ اُسی وقت وقفِ زندگی کے عہد میں ان کی سنجیدگی سمجھی جا سکتی تھی جب فرض کرو قادیان ایک پہاڑی مقام پر ہوتا اور اُس کے چاروں طرف برف جمی ہوئی ہوتی جس پر چلنا مشکل ہوتا مگر پھر بھی مرکز کی طرف سے اعلان ہونے پر اپنی زندگی وقف کرنے والے پیٹوں کے بل گھسٹتے ہوئے اور اپنے ناخن زمین میں گاڑتے ہوئے یہاں تک پہنچ جاتے۔ تب بے شک ان کو مومن سمجھا جا سکتا تھا۔ تب بے شک کہا جا سکتا تھا کہ انہوں نے اپنے عہد کو پورا کر دیا۔ مگر موجودہ صورت تو ایسی ہے جو کسی حالت میں بھی قابلِ عفو نہیں۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی یہی فرمایا ہے کہ جب مہدی آئے گا اُس وقت اگر تمہیں گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے بھی اُس کے پاس جانا پڑے تو جاؤ اور اُس کی آواز پر لبیک کہو۔**4** اِس حدیث کے معنے درحقیقت یہی ہیں کہ جب تمہارے کان میں مہدی کی طرف سے آواز آئے تو تم اِس جوش کے ساتھ اُس آواز پر لبیک کہو اور اِس طرح پروانہ وار اُس کی طرف بھاگو کہ رستہ ہونے یا نہ ہونے کا کوئی سوال ہی تمہارے سامنے نہ ہو۔ جب وہ دعوٰی کرے اس وقت تمہیں راستہ ملے، یا نہ ملے تمہیں گھُٹنوں کے بل چلنا پڑے یا پیٹ کے بل، تم اُس کے پاس پہنچو۔ بلکہ اگر تمہیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے بھی گزرنا پڑتا ہے تو تم اِس بات کی پروا مت کرو۔ اگر تمہیں پھسلنا پڑتا ہے تو اپنے پھسلنے کی پروا نہ کرو اور جلد سے جلد اُس کے پاس پہنچ جاؤ۔

مَیں دفتر تحریک جدید کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ فورًا ایسے لوگوں کے نام

میرے سامنے پیش کرے اور پھر اپنے ڈاک کے رجسٹروں سے یہ ثابت کرے کہ اُس نے ان سب کے نام چٹھیاں بھجوا دی تھیں۔ اس کے بعد وہ مجھ سے ایک تاریخ مقرر کروا کر الفضل میں اعلان شائع کرا دے کہ یہ لوگ فلاں تاریخ کو میرے سامنے ایک مجرم کی حیثیت میں پیش ہوں اور جواب دیں کہ کیوں نہ اُن کو اِس جرم کی وجہ سے جماعت سے خارج کر دیا جائے۔ مَیں اس موقع پر ان لوگوں کو جنہوں نے اپنی زندگیاں دین کے لیے وقف کی ہوئی ہیں ایک بار پھر یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ دیکھو زندگی وقف کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم نے اپنی جان دین کے لیے دے دی۔ مَیں نے متواتر سمجھایا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو وقف کر دیتا ہے تو اِس کے بعد اُس کا کوئی باپ نہیں ہوتا سوائے سلسلہ کے، کوئی ماں نہیں ہوتی سوائے سلسلہ کے، کوئی بہن نہیں ہوتی سوائے سلسلہ کے، کوئی بھائی نہیں ہوتا سوائے سلسلہ کے، کوئی بیوی نہیں ہوتی سوائے سلسلہ کے، کوئی بچے نہیں ہوتے سوائے سلسلہ کے۔ اس وقف کے معنے یہ ہیں کہ وہ دنیا سے کٹ گیا۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں ابھی تک برابر مائیں اِس قسم کے رقعے لکھتی رہتی ہیں کہ ہمارے بچوں کا خیال رکھا جائے، باپ رقعے لکھتے رہتے ہیں کہ ہمارے بیٹوں کا خیال رکھا جائے بلکہ ابھی ایک واقفِ زندگی کے باپ نے مجھے لکھا کہ میرے بیٹے نے چونکہ فلاں وقت اپنی زندگی وقف کی تھی اس لیے اسے فلاں جگہ رکھا جائے۔ وہ اپنے آپ کو باپ سمجھتا ہوگا مگر ہم تو اُسے اِس لڑکے کا باپ سمجھتے ہی نہیں۔ جس دن اُس نے اپنے بیٹے کو دین کے لیے وقف کر دیا اُس کے بعد اس کا کوئی حق نہیں رہا کہ وہ اپنے بیٹے کے متعلق ہم سے کوئی بات کہے۔ اگر کوئی باپ ایسا رقعہ بھیجتا ہے تو ہم اسے پھاڑ کر پھینک دیتے ہیں اور پروا بھی نہیں کرتے کہ اِس میں کیا لکھا ہے۔ لڑکا اگر کچھ کہنا چاہتا ہے تو بے شک کہے۔ اگر لڑکا کوئی ایسی بات کہے گا جو اُس کے حقوق سے تعلق رکھتی ہوگی اور ہم سمجھیں گے کہ وہ چیز اُس کے وقف میں روک نہیں تو اُس کا مطالبہ پورا کر دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی ایسی بات کہے گا جو اُس کے وقف کے خلاف ہوگی تو اسے مجرم سمجھا جائے گا۔ بہر حال کسی واقفِ زندگی کے باپ یا ماں یا بھائی یا بہن یا بیوی یا بچے کا کوئی حق نہیں کہ وہ وقف کے متعلق ہم سے کوئی بات کرے۔ اگر کوئی ایسا رقعہ لکھے گا تو ہم اسے پھاڑ دیں گے۔ اور اگر وہ کوئی بات کرے گا تو ہم اُسے سننے

کے لیے قطعاً تیار نہیں ہوں گے۔ ہاں! اگر کوئی باپ اپنے بچے کی شادی کے متعلق کوئی بات کہنا چاہتا ہے تو گو اِس صورت میں بھی سلسلہ ہی اُس کا باپ ہے اور سلسلہ ہی اس کی ماں۔ مگر چونکہ جسمانی رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا اس لیے ایسے امور جو وقف سے تعلق نہیں رکھتے ان کے متعلق ہم ان کی بات سن بھی سکتے ہیں۔ مثلاً وہ کہہ سکتا ہے کہ لڑکا جوان ہے اِس کی شادی کا انتظام کیا جائے۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسی بات کہے گا جو وقف سے تعلق رکھتی ہوگی مثلاً وہ یہ لکھے گا کہ اسے فلاں جگہ مقرر کیا جائے یا اُس کی تعلیم کے متعلق کوئی بات لکھے گا یا اُس کے کام کے متعلق کوئی بات لکھے گا یا جس ملک میں تبلیغ کے لیے اُسے بھجوانے کا ارادہ ہو اُس کے متعلق وہ بات لکھے گا یا اُس کے گزارہ کے متعلق کوئی بات لکھے گا تو ہمارا ایک ہی جواب ہوگا کہ ہم اس کے رقعہ کو پھاڑ کر پھینک دیں گے۔ چاہے اُس کے نزدیک اِس رقعہ میں کتنی ہی اہم باتیں کیوں نہ لکھی ہوں۔ کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہی نہیں کہ اِن معاملات میں وہ باپ رہ گیا ہے یا ماں رہ گئی ہے یا بھائی رہ گیا ہے یا بہن رہ گئی ہے۔ ان کا باپ بھی سلسلہ ہے، ان کی ماں بھی سلسلہ ہے، ان کی بہن بھی سلسلہ ہے اور ان کا بھائی بھی سلسلہ ہے۔ بلکہ اگر ان کے لڑکے کو یہ پتہ لگ جائے کہ میری ماں یا میرا باپ میرے کام کے متعلق یا اُن ذمہ داریوں کے متعلق جو تحریک جدید کی طرف سے مجھ پر عائد کی گئی ہیں کوئی رقعہ لکھنے والے ہیں تو ایسی صورت میں اگر وہ لڑکا اپنے باپ یا اپنی ماں پر ناراضگی کا اظہار نہ کرے تو ہم اُس کے متعلق بھی یہی سمجھیں گے کہ وہ اپنے وقف میں ثابت قدم نہیں۔ اسے صاف طور پر کہہ دینا چاہیے کہ تم میرے ماں باپ نہیں ہو۔ جب تم نے مجھے وقف کر دیا، جب تم نے مجھے سلسلہ کے سپرد کر دیا تو اب صرف میری شخصیت کا سوال رہ سکتا ہے۔ وہ جہاں تک کام کا تعلق ہے، جہاں تک جسم کا تعلق ہے، جہاں تک تقرر کا تعلق ہے میرا باپ بھی سلسلہ ہے، میری ماں بھی سلسلہ ہے، میری بہن بھی سلسلہ ہے اور میرا بھائی بھی سلسلہ ہے۔

حضرت مسیح ناصریؑ نے کیا ہی عمدہ اور لطیف بات کہی۔ ایک دفعہ ان کی ماں اور ان کے بھائی ان سے ملنے کے لیے آئے مگر چونکہ وہ اُس وقت سلسلہ کا کام کر رہے تھے اِس لیے انہوں نے کہا مَیں نہیں جانتا میرا باپ کون ہے، مَیں نہیں جانتا میری ماں کون ہے،

مَیں نہیں جانتا میرا بھائی کون ہے اور پھر اپنے حواریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ ہیں میرے باپ، یہ ہیں میرے بھائی اور یہ ہے میری ماں۔5 یہ وہ ایمان ہے جس کا حضرت مسیح ناصریؑ نے اظہار کیا اور یہی وہ ایمان ہے جس کے بعد انسان سچی قربانی کر سکتا ہے۔ جب ہم اِس چیز کو تسلیم کر لیتے ہیں تو ہمارے لیے پہلی دفعہ قربانی کا راستہ کھلنا شروع ہوتا ہے اور پھر جُوں جُوں ہم اخلاص دکھاتے ہیں یہ راستہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پس مَیں جماعت کے دوستوں کو ایک بار پھر ہوشیار کر دیتا ہوں کہ وہ وقف کی حقیقت سمجھیں۔ ممکن ہے وہ کہہ دیں کہ ایسی باتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ قربانی کے لیے آگے نہیں آئیں گے۔ مگر مَیں کہتا ہوں وہ لوگ جو اپنی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھتے، وہ لوگ جو وقف کی حقیقت سے غافل ہیں، وہ لوگ جو نام پیش کرتے وقت تو سب سے آگے آجاتے ہیں مگر جب قربانیوں کے لیے بلایا جاتا ہے تو اُن کا قدم پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی مجھے قطعاً ضرورت نہیں۔ وہ ایک شکست خوردہ اور ماری ہوئی قوم ہیں۔ مجھے ایسے لوگوں کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اگر جماعت میں ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنے نام پیش کرنے کے لیے تو تیار ہو جاتے ہیں لیکن اگر سلسلہ اُن سے کام لیتا ہے یا سلسلہ اُن کو ڈانٹتا ہے تو وہ اپنے قدم پیچھے ہٹا لیتے ہیں تو مَیں ایسے لوگوں سے کہتا ہوں تمہیں سات سلام، تم مُردہ ہو تم کسی کام کے اہل نہیں۔ تم اپنے گھر بیٹھو مَیں اپنے گھر میں خوش ہوں۔ وہی جماعتیں دنیا میں کام کر سکتی ہیں جو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتی ہیں اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی وجہ سے وہ جان دینے کے لیے بھی تیار رہتی ہیں۔

مَیں نے پہلے بھی کئی دفعہ سنایا ہے کہ فرانس کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ نہ معلوم وہ تاریخی واقعہ ہے یا کہانی۔ بہر حال ایک مؤرخ جو کہانیوں کے رنگ میں واقعات لکھنے کا عادی ہے اُس نے لکھا ہے کہ فرانس کے یورپین خاندان کے خلاف جب بغاوت ہوئی اور لوگوں نے اِس خاندان کو اپنے ملک سے نکال دیا تو وہ خاندان فرانس سے نکل کر انگلستان چلا آیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہت کے مدعی نے انگلستان سے ایک مختصر سا دستہ فرانس بھجوایا تاکہ وہ دوبارہ بغاوت پیدا کر کے اس کی بادشاہت کے لیے راستہ تیار کرے۔ جس جہاز میں یہ جماعت سوار تھی اُسی جہاز میں ایک اَور شخص بھی سوار تھا۔ مگر سپاہیوں کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ

وہ کون ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ کوئی مسافر ہے جو اِسی جہاز سے سفر کر رہا ہے یا کوئی اَور گمنام شخص ہے۔ انہیں یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ اِس شخص کا کیا عُہدہ ہے یا کیا کام کرتا ہے۔ ایک دن ایک سپاہی جو پہرے پر مقرر تھا اُس کی غفلت کی وجہ سے ایک توپ کا ہُک کُھل گیا۔ جہاز میں جب توپیں رکھی جاتی ہیں تو انہیں باندھ کر رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ توپیں بڑی بڑی وزنی ہوتی ہیں۔ اگر انہیں باندھا نہ جائے تو جہاز کے چلتے وقت وہ لڑھکنے لگ جائیں اور جہاز چونکہ لکڑی کا ہوتا ہے اس لیے خطرہ ہوتا ہے کہ ٹوٹ کر ڈوب جائے۔ اِسی وجہ سے جہاز میں بڑے بڑے ہُک لگے ہوتے ہیں جن سے توپوں کو باندھ دیا جاتا ہے۔ ایک دن اتفاقاً سپاہی سے کوئی بے احتیاطی ہوئی اور ہُک سے وہ رسّہ نکل گیا جس سے توپ بندھی ہوئی تھی۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تختہ جہاز پر توپ اِدھر اُدھر لڑھکنے لگی۔ توپ چونکہ سَو سَو بلکہ بعض دفعہ دو دو سَو من کی ہوتی ہے، اِس لیے جب وہ دائیں طرف لڑھکتی تو جہاز دائیں طرف جھک جاتا اور جب بائیں طرف لڑھکتی تو جہاز بائیں طرف جھک جاتا۔ سمندر کی لہروں کی وجہ سے جہاز پہلے ہی خطرے کی حالت میں تھا۔ اب توپ کے کھل جانے کی وجہ سے یہ خطرہ اَور بھی بڑھ گیا اور یہ سمجھ لیا گیا کہ جہاز ٹوٹ کر غرق ہو جائے گا۔ لوگوں میں سخت گھبراہٹ پیدا ہو گئی اور انہوں نے لحاف اور توشکیں اور کمبل وغیرہ اکٹھے کر کے توپ کے آگے پھینکنے شروع کر دیئے تا کہ اُس کا راستہ رُک جائے اور وہ حرکت نہ کر سکے۔ مگر توپ کا لڑھکنا نہ رُکا اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اِس امر کا یقین ہوتا چلا گیا کہ اب جہاز ضرور ڈوب جائے گا۔ جب بالکل مایوسی کی حالت پیدا ہو گئی تو وہی سپاہی جس سے یہ غفلت ہوئی تھی کُود کر اُس تختے پر چلا گیا جہاں توپ کا ہُک تھا اور جہاں اُس کو باندھا جانا تھا۔ جب لڑھکتے لڑھکتے توپ اُس مقام پر پہنچی تو لوگوں نے یہ یقین کر لیا کہ اب یہ شخص اِس توپ کے نیچے پِس جائے گا۔ مگر وہ نڈر ہو کر کھڑا رہا۔ جب توپ ہُک کے پاس پہنچی تو اُس نے دَوڑ کر اُس کا رسّہ ہُک میں ڈال دیا اور اتفاق ایسا ہوا کہ رسّہ ہُک میں پھنس گیا اور توپ باندھی گئی۔ اب ایسا سو میں سے ایک دفعہ بلکہ ہزار میں سے ایک دفعہ ہی ہو سکتا ہے۔ ورنہ نو سو ننانوے دفعہ ایسے حالات کے پیدا ہونے پر یہی یقین ہوتا ہے کہ جہاز ٹوٹ جائے گا اور سب لوگ غرق ہو جائیں گے۔ لوگ بھی اُس وقت یہی سمجھتے تھے کہ اس شخص کے جسم پر سے توپ

گزر جائے گی اور یہ اس کے نیچے پِس جائے گا۔ کیونکہ ایک سیکنڈ میں لڑھکنے والی توپ کو ہُک کے ساتھ باندھنا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ وہ مر جائے گا۔ وہ خود بھی یہی سمجھتا تھا کہ مَیں مر جاؤں گا۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ وہ بچ گیا اور اُس نے اپنے ملک کی فوج کو بھی بچالیا۔ گویا وہ اتفاق جو ہزار میں سے ایک دفعہ ہی ہو سکتا تھا اُس وقت پیدا ہو گیا اور خطرہ جاتا رہا۔ جب توپ باندھی گئی تو وہی شخص جسے سپاہیوں نے مسافر سمجھا تھا کھڑا ہوا اور اُس نے بتایا کہ مَیں فلاں افسر ہوں۔ پھر اُس نے سب سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور کہا جس شخص سے یہ غلطی ہوئی تھی اُسے سامنے لاؤ۔ جب اُسے سامنے لایا گیا تو اُس نے فرانس کا سب سے بڑا بہادری کا تمغہ اُس کے سینہ پر لگایا اور کہا لو مَیں یہ تمغہ تمہیں بادشاہ کی طرف سے سب سے بڑی بہادری دکھانے پر دے رہا ہوں۔ اس کے بعد اُس نے بارہ سپاہی مقرر کیے کہ اس شخص کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے باڑھ[6] مار دو۔ چنانچہ انہوں نے اسے باڑھ ماردی۔ جب وہ افسر ساحلِ فرانس پر اُترا اور کشتی میں سوار ہوا تو اتفاقاً اُس کی کشتی پر جو ملاح مقرر تھا وہ اُس سپاہی کا بھائی تھا جسے اُس نے گولی سے اڑا دیا تھا۔ جب کشتی ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی اُس ملاح نے موقع پا کر افسر سے کہا آپ کو معلوم ہے مَیں کون ہوں؟ وہ کہنے لگا مجھے تو پتہ نہیں۔ ملاح کہنے لگا مَیں اُس شخص کا بھائی ہوں جسے آپ نے گولی مارنے کا حکم دیا تھا اور چونکہ آپ نے میرے بھائی کو مروا دیا ہے اِس لیے مَیں نے اُسی وقت یہ نیت کر لی تھی کہ مَیں آپ سے اپنے بھائی کا انتقام لوں گا اور مَیں اِسی موقع کی تاڑ میں تھا۔ اُس وقت سمندر میں طوفان زیادہ تھا مگر آپ کا حکم تھا کہ مجھے جلدی سے ساحل پر پہنچایا جائے مَیں نے اپنے آپ کو اِسی نیت سے پیش کیا تھا کہ مجھے موقع مل گیا تو مَیں راستہ میں اپنے بھائی کا بدلہ لے لوں گا۔ اب آپ قتل ہونے کے لیے تیار رہیے۔ آپ نے میرے بھائی کو ہلاک کر کے مجھے اتنا صدمہ پہنچایا ہے کہ اب سوائے اِس کے میرے پاس کوئی صورت نہیں کہ مَیں اِس کشتی کو غرق کر دوں اور خود بھی مر جاؤں اور آپ کو بھی مار ڈالوں۔ وہ افسر اُس سے کہنے لگا تمہیں پتہ ہے مَیں نے تمہارے بھائی کو کیوں مروایا؟ وہ کہنے لگا مجھے پتہ ہے۔ مگر اُس نے اپنے جُرم کا ازالہ بھی تو کر دیا تھا۔ افسر کہنے لگا اُس نے ازالہ تو کیا مگر کیا یہ ازالہ اُس کے اختیار میں تھا؟ کیا ہزار میں سے

نو سَو ننانوے دفعہ یہ امکان نہیں تھا کہ جہاز ڈوب جائے اور فوج تباہ ہو جائے؟ اگر نو سو ننانوے دفعہ یہ امکان تھا تو اُس کا ایک دفعہ کامیاب ہو جانا صرف اتفاق کہلائے گا اور یہی کہنا پڑے گا کہ اُس نے نو سو ننانوے دفعہ اپنے ملک کو تباہ کر دیا صرف ایک دفعہ اس نے اپنے ملک کو بچایا۔ مگر وہ بھی ایک اتفاقی امر تھا۔ اُس کے اختیار کی بات نہیں تھی۔ بہر حال اُس کا یہ فعل ایسا تھا جس کی وجہ سے نو سو ننانوے دفعہ ناکامیاں ہی پیش آسکتی تھیں۔ صرف ایک دفعہ کامیابی حاصل ہوئی اور وہ بھی اتفاقی طور پر۔ پس چونکہ اُس نے نو سو ننانوے دفعہ فرانس کو تباہ کرنے کی کوشش کی اور صرف ایک دفعہ حُسنِ اتفاق سے اپنی جان کو ہلاکت کے خطرہ میں ڈال کر اپنے ملک کو بچایا اِس لیے مَیں نے ایک طرف تو تمہارے بھائی کو اُس کے اچھے کام کی وجہ سے فرانس کا سب سے بڑا بہادری کا انعام دے دیا اور دوسری طرف نو سو ننانوے دفعہ اُس نے اپنے ملک کو جس خطرے میں ڈالا تھا اُس کی پاداش میں اُسے گولی سے اُڑا دیا۔ اگر تمہارا دل فرانس کی محبت سے خالی ہے تو میری جان کا کیا ہے۔ مَیں نے تو دشمن کے ہاتھ سے بھی مرنا ہی ہے۔ اگر تم مجھے یہیں مار دو گے تو اِس میں کونسی بڑی بات ہے۔ مگر یاد رکھو کہ اگر تم مجھے مارو گے تو تم مجھے نہیں مارو گے بلکہ فرانس کو مارو گے۔ جب افسر نے یہ بات کہی اُس کے بھائی کی رائے بالکل بدل گئی اور اُس نے کہا مَیں سمجھتا ہوں کہ مَیں غلطی پر تھا۔ اب مَیں خطرات میں پڑ کر بھی آپ کو اُس مقام پر پہنچاؤں گا جہاں کوئی اَور شخص آپ کو نہیں پہنچا سکتا کیونکہ اِس وقت سمندر میں طوفان ہے اور کوئی اَور ملّاح اِس سمندر میں کشتی چلانے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اُس نے ہر قسم کے طوفانی خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے افسر کو اُس کے مقام تک پہنچا دیا۔

جب دنیوی قربانیوں کا یہ حال ہے تو جو شخص ایسے نازک اوقات میں جبکہ اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت خطرے میں ہے کوئی کمزوری دکھاتا یا اپنا سینہ تان کر آگے نہیں آتا اس کا اپنے متعلق یہ امید رکھنا کہ ہم اسے مسلمان سمجھیں یا خادمِ دین قرار دیں یا اُسے خدا اور رسول سے محبت رکھنے والا سمجھیں کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ ایسے وقت میں تو ہر شخص کا فرض ہوتا ہے کہ وہ آگے آئے۔ اور پھر جو شخص آگے آئے اُس کا

دوسرا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ بے نیاز ہو جائے سارے تعلقات سے، وہ بے نیاز ہو جائے سارے رشتہ داروں سے، وہ بے نیاز ہو جائے ساری محبتوں سے۔ اور ایک ہی مقصود اس کے سامنے رہ جائے کہ مَیں نے اسلام کے لیے اپنی جان دینی ہے، مَیں نے قرآن کے لیے اپنی جان دینی ہے، مَیں نے احمدیت کے لیے اپنی جان دینی ہے۔ جس وقت یہ روح جماعت میں پیدا ہو جائے گی اُس وقت اور صرف اُس وقت ہماری جماعت کامیاب ہو گی۔ اور گو اِس وقت ہم تھوڑے ہیں، گو ہم ذلیل اور حقیر سمجھے جاتے ہیں، گو ادنیٰ سے ادنیٰ اقوام ہمیں آنکھیں دکھانے کے لیے تیار ہو جاتی ہیں۔ وہ مسلمان جو سکھوں کی گھُرکیوں سے ڈر جاتے ہیں، وہ مسلمان جو ہندوؤں کی گھُرکیوں سے ڈر جاتے ہیں۔ وہ مسلمان جو عیسائیوں کی گھُرکیوں سے ڈر جاتے ہیں، وہ بھی ہمیں غصہ سے لال لال آنکھیں نکال کر دکھاتے ہیں۔ اور وہ حکومت جو سکھوں سے ڈر جاتی ہے، وہ حکومت جو ہندوؤں سے ڈر جاتی ہے وہ بھی اپنے سارے ایکٹ قادیان کے احمدیوں کو ستانے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ لیکن اگر یہ روح ہماری جماعت اپنے اندر پیدا کر لے تو نہ ہندو اُسے ڈرا سکتے ہیں، نہ سکھ اُسے ڈرا سکتے ہیں، نہ مسلمان اُسے ڈرا سکتے ہیں، نہ ہندوستان کے انگریز اُسے ڈرا سکتے ہیں، نہ برطانیہ کے انگریز اُسے ڈرا سکتے ہیں، نہ دنیا کی کوئی اَور قوم اُسے ڈرا سکتی ہے۔ کیونکہ یہ روح قوموں کو ایسی زندگی بخشتی ہے، ایسی طاقت بخشتی ہے، ایسی مضبوطی بخشتی ہے کہ دنیا کی کوئی تلوار اس کو کاٹ نہیں سکتی۔ دنیا کی کوئی توپ اس کو مٹا نہیں سکتی۔ جو شخص خدا کی خاطر مرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اُس کو مارنے والا وجود آج تک دنیا میں پیدا نہیں ہوا اور قیامت تک پیدا نہیں ہو سکتا۔

دوسری دو چیزیں جن کی طرف مَیں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کالج اور سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام ہے۔ مَیں پہلے بھی جماعت کو کالج کی طرف توجہ دلا چکا ہوں۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں ابھی تک اس طرف پوری توجہ نہیں کی گئی۔ جہاں تک کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے لڑکوں کی طرف سے درخواستیں آنے کا سوال ہے وہ بھی ابھی توجہ طلب ہے۔ اور جہاں تک کالج کے لیے روپیہ کا سوال ہے وہ بھی ابھی بہت کم جمع ہوا ہے۔ آخری رپورٹ نظارت بیت المال کی طرف سے اِس بارہ میں یہ تھی کہ بیاسی ہزار روپیہ کی رقوم

اور وعدے آ چکے ہیں۔ کچھ اَور اطلاعات میرے پاس بھی آئی ہوئی ہیں اگر اُن کو بھی شامل کر لیا جائے تو پچاسی ہزار کے قریب یہ رقم بن جاتی ہے۔ مگر جو نیا اسٹیمیٹ(ESTIMATE) لگایا گیا ہے اُس کی بناء پر دو لاکھ روپیہ خرچ کا اندازہ ہے اور رقم ابھی تک نصف بھی جمع نہیں ہوئی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابھی جماعت کا بہت سا حصہ ایسا رہتا ہے جس نے اِس چندہ میں حصہ نہیں لیا۔ مگر اِس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جس رفتار سے اِس تحریک میں حصہ لیا گیا ہے وہ بہت ہی سُست ہے۔ مَیں نے مجلس شورٰی میں جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلائی تھی اور بعد میں بھی مختلف مواقع پر مَیں توجہ دلاتا رہا ہوں۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس قدر یہ ضروری امر ہے اُسی قدر جماعت نے اِس کی اہمیت کو نہیں سمجھا اور اِس کی طرف توجہ کرنے میں بہت بڑی سُستی سے کام لیا ہے۔ پہلے سال کالج پر دو لاکھ روپیہ خرچ کا اندازہ ہے۔ اس کے بعد تیس چالیس ہزار روپیہ سالانہ خرچ آئے گا۔ مَیں نے بتایا تھا کہ یورپ کے فلسفہ کی اِس وقت اسلام کے ساتھ ایک عظیم الشان جنگ جاری ہے اور اِس فلسفہ کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں مختلف قسم کے شبہات پیدا کیے جا رہے ہیں۔ کہیں خدا کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کیے جاتے ہیں، کہیں ملائکہ کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کیے جاتے ہیں، کہیں روح کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کیے جاتے ہیں، کہیں مرنے کے بعد کی زندگی کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کیے جاتے ہیں۔ غرض قسم قسم کے شبہات اور وساوس ہیں جو لوگوں کے قلوب میں پیدا کر کے اُن کو اسلام اور ایمان سے برگشتہ کیا جاتا ہے۔ اِس زہر کے ازالہ کا بہترین طریق یہی ہے کہ وہ کالج جن میں یورپ کا یہ فلسفہ پڑھایا جاتا ہے اُنہی کالجوں میں ایسے پروفیسر مقرر کیے جائیں جو دین کو سیکھنے اور اُس پر غور کرنے والے ہوں اور اُن کا یہ کام ہو کہ وہ دن رات اِس جستجو میں رہیں کہ ان شبہات کا کس طرح ازالہ کیا جا سکتا ہے جن کو یورپ کا موجودہ فلسفہ لوگوں کے قلوب میں پیدا کر رہا ہے۔ پھر ہمارا کام ہو گا کہ ہم اُن پروفیسروں کو بلائیں، اُن کے دلائل سنیں، انہیں ہدایات دیں، اُن کے علوم میں دلچسپی لیں اور ایسے دلائل مہیا کریں جن سے یورپ کے اِس زہر کا ازالہ ہو سکے اور قرآن کی حکومت دنیا پر قائم ہو۔ مگر ایسے مواقع قادیان سے باہر

ہندوستان کے کسی کالج میں میسر نہیں آسکتے۔ بلکہ ہندوستان کیا ساری دنیا میں کوئی ایسا کالج نہیں جہاں اِن شبہات کے تدارک کا سامان ہو۔ بے شک باہر کئی قسم کے کالج ہیں مگر اُن کالجوں کی غرض یورپ کے اِن پیدا کردہ شبہات کو ردّ کرنا نہیں بلکہ ان شبہات کی تائید کرنا اور ان وساوس میں اَور ہزاروں لوگوں کو مبتلا کرنا ہے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی کالج ہے تو اُس کے پروفیسر بھی ایسے ہیں جو خود اِن شبہات میں مبتلا ہیں اور وہ اسلام کی فوقیت یورپ کے موجودہ فلسفہ پر ثابت نہیں کرسکتے۔ اِس لیے اُن کی اس طرف توجہ ہی نہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ کام اُن لوگوں کا ہے جو دینی علوم سے واقفیت رکھتے ہوں۔ مگر بیرونی دنیا میں وہ خود انگریزی دان طبقہ کے تابع ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسوسی ایشن (ASSOCIATION) ایسی نہیں جہاں دین کے لوگ حاکم ہوں اور انگریزی دان اُن کے محکوم ہوں۔

ساری دنیا میں صرف قادیان ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں وہ لوگ جو دین کے نگران ہیں وہ تو حاکم ہیں لیکن انگریزی دان اور پروفیسر ان کے ماتحت ہیں۔ اور یہ ایک ایسی امتیازی خصوصیت ہے جو دنیا میں اَور کسی مقام کو حاصل نہیں۔ پس جہاں اَور سوسائیٹیوں اور جماعتوں کا مقصدِ اول یہ ہوتا ہے کہ وہ یورپ کے فلسفہ کی اسلام پر فوقیت ثابت کریں وہاں ہماری جماعت کا مقصدِ اول یہ ہے کہ وہ خدا اور اُس کے رسول کی حکومت دنیا میں قائم کرے اور یورپ کے فلسفہ کا جھوٹا ہونا ثابت کرے۔ اس لیے ہماری ہدایت کے ماتحت جو پروفیسر کام کریں گے درحقیقت وہی ہیں جو یورپ کے پیدا کردہ شبہات کا ازالہ کرسکیں گے۔ خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ایک لمبے عرصہ تک میری اِس طرف توجہ ہی نہیں ہوئی کہ قادیان میں ہمارا اپنا کالج ہونا چاہیے۔ بلکہ ایسا ہوا کہ بعض لوگوں نے کالج کے قیام کے متعلق کوشش بھی کی تو مَیں نے اُنہیں کہا کہ ابھی اِس کی ضرورت نہیں کالج پر بہت روپیہ خرچ ہوگا۔ لیکن پچھلے سال مجلس شوریٰ کے موقع پر بحث کے بعد یکدم جب بعض دوسرے لوگوں نے تحریک کی تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ تحریک پیدا کردی کہ واقع میں قادیان میں جلد سے جلد ہمیں اپنا کالج کھول دینا چاہیے۔ حالانکہ اُس وقت تک نہ صرف اِس تحریک کا میرے دل میں کوئی خیال نہیں تھا بلکہ جب بھی کسی نے ایسی تحریک کی مَیں نے اُس کی مخالفت کی۔ لیکن اُس وقت

یکدم خدا تعالیٰ نے میرے دل میں اِس خیال کی تائید پیدا کر دی اور نہ صرف تحریک پیدا کی بلکہ بعد میں اِس تحریک کے فوائد اور نتائج بھی سمجھا دیئے۔ ہمارا کالج در حقیقت دنیا کی اُن زہروں کے مقابلہ میں ایک تریاق کا حکم رکھتا ہے جو دنیا کے مختلف ملکوں اور مختلف قوموں میں سائنس اور فلسفہ اور دوسرے علوم کے ذریعہ پھیلائی جا رہی ہیں۔ مگر اِس زہر کے ازالہ کے لیے خالی فلسفہ اور دوسرے علوم کام نہیں آسکتے۔ بلکہ اِس غرض کے لیے عملی نتائج کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایک کثیر حصہ سائنس کی ایجادات سے دھوکا کھا گیا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگ گیا ہے کہ سائنس کے مشاہدات اور قانونِ قدرت کی فعلی شہادات اسلام کو باطل ثابت کر رہی ہیں۔ اِسی لیے کالج کے ساتھ ایک سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی قائم کی گئی ہے تاکہ بیک وقت اِن دونوں ہتھیاروں سے مسلّح ہو کر کفر پر حملہ کیا جاسکے۔ اِس انسٹی ٹیوٹ کے قیام پر بھی دولاکھ روپیہ خرچ ہو گا۔ پہلے سال کا خرچ تو اسّی، نوے ہزار کے قریب ہے لیکن اگلے سال جب عمارت کو مکمل کیا جائے گا اور سائنس کا سامان اکٹھا کیا جائے گا کم سے کم دو لاکھ روپیہ خرچ ہو گا۔ پھر سالانہ ستّر، اسّی ہزار کے خرچ سے یہ کام چلے گا۔اس کام کو چلانے کے لیے ہمیں قریباً بیس آدمی ایسے رکھنے پڑیں گے جنہوں نے سائنس کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کی ہو۔ گویا کالج سے بھی زیادہ عملہ اِس غرض کے لیے ہمیں رکھنا پڑے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد اُمید ہے کہ یہ انسٹی ٹیوٹ خود روپیہ پیدا کرنے کے قابل بھی ہو سکے گی۔ کیونکہ اِس ادارہ میں جب علومِ سائنس کی تحقیق کی جائے گی تو ایسی ایجادات بھی کی جائیں گی جو تجارتی دنیا میں کام آسکتی ہیں یا صنعت و حرفت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور اُن ایجادات کو دنیا کے تجارتی اور صنعتی اداروں کے پاس فروخت کیا جائے گا۔ ہم اُن اداروں سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے محکمہ نے یہ یہ ایجادات کی ہیں اگر تم خریدنا چاہتے ہو خرید لو۔ اِس طرح جو روپیہ آئے گا اُس کے ذریعہ اس کام کو اِنْشَاءَ اللّٰہ زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جاسکے گا۔

اِسی طرح میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ سائنس کی جو ایجادات ایسی مفید ہوں کہ جماعت ان کو اپنے خرچ پر جاری کر سکتی ہو وہ ایجادات ہم اپنے ہاتھ میں رکھیں گے اور جماعتی خرچ سے اُن کو دنیا میں فروغ دیں گے۔ جیسے ہوزری (HOSIERY) کا کارخانہ ہے۔ اِس نے

ایک لمبے عرصہ تک نقصان اٹھایا۔ مگر اب وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے قریباً سو فیصدی نفع دے سکتا ہے۔ تیس فیصدی نفع تو دے بھی چکا ہے۔ اِسی طرح آہستہ آہستہ سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ایجادات کے ذریعہ بھی سلسلہ کے مقاصد کی تکمیل کے لیے بہت کچھ روپیہ جمع ہونا شروع ہو جائے گا۔ انگلستان جو ساری دنیا کی دولت پر قبضہ کیے ہوئے ہے اِس نے اِسی طرح دولت کمائی ہے کہ اِس میں دو کمپنیاں ایسی پیدا ہو گئیں جو غیر ملکوں میں چلی گئیں اور اُنہوں نے اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ ایک امریکہ میں چلی گئی اور دوسری ہندوستان میں آگئی۔ ہندوستان کی کمپنی زیادہ ترقی کر گئی اور اِس طرح رفتہ رفتہ ان دو کمپنیوں کی وجہ سے انگلستان نے کئی مُلکوں کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ حالانکہ انگلستان کی آبادی بنگال کی آبادی سے بھی کم ہے۔ لیکن باوجود اِس کے کہ اِس کی آبادی اس قدر کم ہے، اِس نے ہندوستان پر بھی قبضہ کر لیا، اِس نے افریقہ پر بھی قبضہ کر لیا، اِس نے آسٹریلیا پر بھی قبضہ کر لیا جو ہندوستان سے دُگنا ملک ہے۔ اِسی طرح اَور سینکڑوں نہیں ہزاروں چھوٹے چھوٹے جزیروں اور ملکوں کو اپنے زیرِ نگیں کر لیا۔ اُس وقت جب انگلستان کی دو کمپنیاں غیر ملکوں میں تجارت کے لیے گئی تھیں کون شخص یہ خیال بھی کر سکتا تھا کہ انگلستان اِس ذریعہ سے اپنے علاقہ سے کئی سَو گُنے زیادہ علاقہ پر اور اپنی آبادی سے دَسیوں گُنے زیادہ آبادی پر حکومت کرلے گا۔ انگلستان کی ساری آبادی چار کروڑ کی ہے لیکن اگر انگلستان کی رعایا کی آبادی دیکھی جائے جو دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلی ہوئی ہے تو وہ اسّی کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ گویا آبادی کے لحاظ سے اس نے بیس گُنا آبادی کو اپنے ماتحت کر لیا اور رقبہ کے لحاظ سے اپنے ملک سے کئی سو گُنے زیادہ رقبے پر قبضہ کر لیا۔ مگر یہ بات ان کو کس طرح نصیب ہوئی؟ اِسی طرح کہ وہ دنیادار لوگ تھے انہوں نے کہا اگر ہم دنیا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا کام یہی ہے کہ ہم دنیا کمانے کے لیے صحیح طریق اختیار کریں اور پھر اپنی جدوجہد اور کوشش کو کمال تک پہنچا دیں۔ لیکن ہمارا کام دین کی تقویت کرنا اور اسلام کی بنیادوں کو ایسا مضبوط بنانا ہے کہ آئندہ کسی دشمن کو اِس پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ پس اگر وہ دنیا میں اِس طرح مصروف ہو گئے تھے کہ انہیں اپنے سر پیر کی بھی ہوش نہیں رہی تھی تو کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم دین کی ترقی کے لیے اِن امور کی طرف ایسی توجہ کریں کہ اسلام اور

قرآن کی اشاعت کے سامان بھی پیدا ہو جائیں، جماعت میں کام کرنے کی عادت بھی پیدا ہو جائے، اسے محنت و مشقت کا برداشت کرنا بھی دوبھر معلوم نہ ہو اور وقت کو ضائع کرنے کی عادت بھی اِس سے جاتی رہے۔ دنیا میں جس قدر سائنس کی انسٹی ٹیوٹز(INSTITUTES) ہیں اُن کے موجد اِس لیے ایجادات کرتے ہیں کہ تا اسلام تباہ ہو اور یورپ کا فلسفہ دنیا پر غالب آئے۔ مگر ہمارے موجد اِس لیے ایجادات کریں گے تا کہ کفر تباہ ہو اور اسلام یورپ کے فلسفہ اور یورپ کے تمدن پر غالب آجائے۔ یہ لڑائی ہے جو اسلام اور یورپ میں جاری ہے، یہ لڑائی ہے جو احمدیت اور یورپ کا فلسفہ آپس میں لڑنے والے ہیں۔ اگر وہ اِس طرف لگے ہوئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت کو اُس کے کلام کے خلاف پیش کریں تو ہم اِس طرف لگے ہوئے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت کو اُس کے کلام کی صداقت اور تائید میں پیش کریں۔ اور یہ بات بالکل صاف ہے کہ اگر کوئی خدا ہے اور یقیناً ہے۔ اگر دنیا کو اُس نے پیدا کیا ہے اور یقیناً اُس نے پیدا کیا ہے اگر قانونِ قدرت اُس کا اپنا بنایا ہوا ہے اور یقیناً اُس کا اپنا بنایا ہوا ہے تو یقیناً نیچر سے جو کچھ ظاہر ہو گا قرآن کی تائید میں ہی ظاہر ہو گا، اسلام کی تائید میں ہی ظاہر ہو گا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں ہی ظاہر ہو گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کی قولی شہادت کچھ اَور کہہ رہی ہو اور اُس کی فعلی شہادت کچھ اَور کہہ رہی ہو۔ اگر دشمن خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق سے خدا تعالیٰ کے کلام کے خلاف استنباط کر رہا ہے، اگر وہ سائنس کے بل بوتے پر خدا کا کلام اُس کی فعلی شہادت کی روشنی میں غلط ثابت کرنا چاہتا ہے تو چونکہ قرآن خدا کا کلام ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا کی فعلی شہادت اس کے کلام کے خلاف ہو اِس لیے ہمیں اِس بات پر کامل یقین ہے کہ سائنس کے ذریعہ ہمیں ایسے علوم عطا کیے جائیں گے کہ یورپ کو اِس مقابلہ میں سوائے پیٹھ دکھانے کے اَور کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ پس ہمارے لیے اِس میدان میں کُود کر دشمن پر فتح پانا بہت زیادہ آسان اور بہت زیادہ ممکنُ الحُصول ہے۔ کیونکہ اِس میدان میں ہم اکیلے نہیں جاتے بلکہ خدا کی فعلی شہادت ہمارے ساتھ ہوتی ہے۔

جب مکہ فتح ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت جن لوگوں کے

قتل کیے جانے کا حکم دیا تھا اُن میں ایک ہندہ بھی تھی۔ کیونکہ اُس نے لوگوں کو روپے دے دے کر کئی مسلمان مروا ڈالے تھے۔ مگر ہندہ بڑی ہوشیار عورت تھی۔ اُسے جب اِس حکم کا علم ہوا تو اُس نے چادر اوڑھ لی اور عورتوں کے ساتھ مل کر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنے کے لیے آئی تھیں آپؐ کی بیعت کرنی شروع کر دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اِن عورتوں میں ہندہ بھی بیٹھی ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لیتے لیتے اِس مقام پر پہنچے کہ تم اقرار کرو ہم کبھی شرک نہیں کریں گی تو ہندہ سے نہ رہا گیا اور کہنے لگی یَا رسولَ اللہ! کیا اب بھی آپ سمجھتے ہیں ہم شرک میں گرفتار رہیں گی؟ ساری قوم ہمارے ساتھ تھی اور آپؐ اکیلے تھے، ہمارے پاس دولت تھی لیکن آپؐ کے پاس دولت نہ تھی، ہمارے پاس جتھا تھا لیکن آپؐ کے پاس جتھا نہ تھا، ہمارے پاس سپاہی تھے لیکن آپؐ کے پاس کوئی سپاہی نہ تھے پھر ہم سمجھتے تھے کہ ہمارے ساتھ ہمارے بُت ہیں جو ہمارے خدا ہیں لیکن آپؐ کے ساتھ کوئی خدا نہیں۔ گویا ہم اپنے آپ کو خدا والا اور آپؐ کو خدا کی مدد سے محروم قرار دیتے تھے۔ ہم سب نے آپؐ کا مقابلہ کیا اور متواتر اور مسلسل مقابلہ کیا۔ مگر یَا رسولَ اللہ! ہر میدان میں آپؐ نے ہمیں پِیٹا، ہر میدان میں آپ نے ہمیں لتاڑا، ہر میدان میں ہمیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ آپؐ ایک سے دو اور دو سے چار اور چار سے دس، دس سے سو اور سو سے ہزار اور ہزار سے دس ہزار ہوئے اور ہم دس ہزار سے چار ہزار، چار ہزار سے دو ہزار، دو ہزار سے ایک ہزار اور ایک ہزار سے چند سو ہوئے اور پھر آخر میں یہاں تک ذلیل اور خوار ہوئے کہ اب ہمیں ندامت اور شرمندگی کے ساتھ آپؐ کے پاس آنا پڑا۔ یَا رسولَ اللہ! کیا اب بھی ہمارے دل میں اسلام کی صداقت کے متعلق کوئی شبہ رہ سکتا ہے اور کیا اب بھی ہمیں بتوں کی طاقت کا کوئی یقین ہو سکتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہندہ ہے؟ اُس نے کہا یَا رسولَ اللہ! ہندہ تو ہوں مگر مسلمان ہندہ ہوں، کافر ہندہ نہیں۔ اب مَیں کلمہ پڑھ چکی ہوں اور آپؐ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب سن کر مسکرائے اور خاموش ہو گئے۔7

تو دیکھو! ہندہ نے اسلام کی صداقت کے متعلق اُس وقت کیا ہی لطیف جواب دیا۔ یہی جواب ہم آج بھی دے سکتے ہیں کہ اگر دنیا کی پیدائش کا یہ سلسلہ، اگر دنیا کا ذرہ ذرہ، اگر دنیا کے کوئلے اور تار کول اور کیمیائی مرکبات اور گرمی سردی کا اثر، اگر میٹر کا پھیلنا اور تنگ ہونا، اگر ستاروں اور سورج اور چاند کی شعاعیں اور ان کے اثرات جو خدا نے پیدا کیے ہیں اِن سے یورپ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے یا جہالت کی وجہ سے یا شرارت اور فتنہ وفساد کی نیت سے ایسے دلائل اخذ کر سکتا ہے جو خدا کے کلام کو لوگوں کی نگاہوں میں باطل ٹھہرانے والے ہوں تو کیا اگر مسلمان سچے دل سے کائناتِ عالَم کے اِس سلسلہ پر غور کریں گے تو یہ سورج اور یہ چاند اور یہ ستارے اور یہ کیمیکل اجزاء اور یہ گرمی اور سردی کے اثرات اور یہ مادے کا پھیلنا اور تنگ ہونا جن کا خالق خدا ہے، جن کا مالک خدا ہے، جن کو نیست سے ہست میں لانے والا خدا ہے اُس کی صفات کو کائنات کا یہ ذرہ ذرہ اُسی طرح ظاہر نہیں کرے گا جس طرح سورج اور چاند اور ستارے اپنی روشنی ظاہر کر رہے ہیں؟ اگر کافروں کے ہاتھ میں یہ چیزیں بولنے لگ جاتی ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ دنیا کا ایک ایک ذرّہ ہمارے ہاتھ میں آ کر خدا کی تائید میں نہ بولنے لگ جائے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ جس طرح یہ چیزیں ہمارے ہاتھ میں ایک سال کے اندر اندر بول سکتی ہیں یورپ کے ہاتھ میں اِس طرح سَو سال میں بھی نہیں بول سکتیں۔ کیونکہ یورپ اِن چیزوں سے جھوٹی گواہی دلوانا چاہتا ہے اور جھوٹی گواہی دلوانا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن ہم ان چیزوں سے سچی گواہی دلوائیں گے اور سچی گواہی دلوانا بہت آسان ہوتا ہے۔ پس یہ دو بہت بڑے کام ہیں جو اِس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ جہاں تک یورپ کے فلسفہ پر اسلامی احکام کی فوقیت کو ثابت کرنے کا مسئلہ ہے ہم نے کالج کی داغ بیل رکھ دی ہے۔ لیکن ابھی ہم نے اِس کالج کو ڈگری کالج بنانا ہے۔ پھر ایم اے تک پہنچانا ہے۔ پھر ڈاکٹری کی تعلیم کا اِس میں انتظام کرنا ہے۔ پس بہت بڑا کام ہے جو ہمارے سامنے ہے اور بہت بڑی قربانیاں ہیں جن میں ہماری جماعت نے ابھی حصہ لینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں بار بار قربانیوں کی تحریک کر رہا ہوں اور بار بار جماعتوں سے کہہ رہا ہوں کہ وہ اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں، صدق وصفا کا وہ نمونہ دکھائیں جو

اسلام کے احیاء کے لیے ضروری ہے۔بے شک یہ سال قربانیوں کا سال ہے مگر یاد رکھو! قربانیوں کے سال انسانوں پر کبھی کبھی آتے ہیں اور یہ دن خدا تعالیٰ کی رحمتوں سے ہی نصیب ہوا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کے لیے رزق کی فراوانی کا یہ سامان پیدا کیا ہوا ہے کہ جنگ ہو رہی ہے اور انہیں پہلے سے زیادہ مال حاصل ہو رہا ہے۔ پس جنگ کی وجہ سے جب تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادہ مال مل رہا ہے تو تمہارا یہ بھی فرض ہے کہ اِس مال کو زیادہ سے زیادہ خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ ورنہ دنیا میں کسی کے پاس مال نہیں رہا۔ اگر کوئی شخص خدا کے لیے اپنے مال کو خرچ نہیں کرے گا تو اُسے اپنی اولاد کے لیے یا مکان کے لیے یا بیماریوں کے علاج کے لیے اِس مال کو خرچ کرنا پڑے گا۔ پھر کیسا بد قسمت ہے وہ انسان جسے خدا کے لیے تو اپنا مال خرچ کرنے کی توفیق نہ ملی مگر دنیا کے لیے اُس نے اپنا مال خرچ کر دیا۔ پس اب موقع ہے کہ تم آگے بڑھو اور اپنی خوشی سے خدا کی راہ میں اپنے مالوں کو قربان کر دو۔ اگر تم خوشی سے اپنے اموال خدا کی راہ میں نہیں لُٹاؤ گے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض دفعہ انسان بڑی بڑی مشکلات میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ پس تم خوشی سے اپنے اموال قربان کرو تا کہ خدا تم کو کسی ایسی تکلیف میں نہ ڈالے جس پر روپیہ الگ خرچ ہو اور تمہیں الگ مصیبت برداشت کرنی پڑے۔ بعض دفعہ گھروں میں بیماریاں آجاتی ہیں تو پانی کی طرح روپیہ بہانا پڑتا ہے۔ اگر وہی روپیہ انسان اپنی خوشی سے خدا کی راہ میں دے دے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُسے آنے والی بیماریوں سے بھی بچا لیتا ہے۔ یا اگر بیماری نہیں آتی تو بعض دفعہ کوئی مقدمہ بن جاتا ہے اور اُس پر روپیہ خرچ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یا کسی سے لڑائی جھگڑا ہو جاتا ہے اور اُس میں روپیہ برباد ہو جاتا ہے۔

پس میں ایک دفعہ پھر جماعت کو اِن دونوں امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ مَیں نے ابھی سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی طرف جماعت کو چندہ کے لیے توجہ نہیں دلائی اور نہ اِس وقت میرا منشاء اس کے لیے کسی چندہ کی تحریک کرنا ہے۔ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ یہ دو کام ایسے ہیں جو یورپ کی دہریت کے ردّ کے سامان اپنے اندر رکھتے ہیں۔ سامان تو سب قرآن مجید میں موجود ہیں مگر ہمارا کام یہ بھی ہے کہ ہم قانونِ قدرت کو اُس کے کلام کی

تائید میں بطور گواہ پیش کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ خدا کے قول اور فعل میں کوئی تخالف نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کو دیکھ لو۔ آپ نے جہاں اسلامی مسائل کی فوقیت ثابت کرنے کے لیے قرآنی آیات پیش کی ہیں وہاں آپ نے قانون قدرت سے بھی دلائل پیش کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ خدا کے کلام کی سچائی کا شاہد خدا کا فعل ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خدا کا قول اور ہو اور اُس کا فعل کچھ اَور ظاہر کر رہا ہو۔ ہمارا کام بھی یہی ہے کہ ہم خدا کی فعلی شہادت اسلام اور احمدیت کی تائید میں کالج اور سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔ یہی مقصد کالج کے قیام کا ہے اور یہی مقصد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام کا ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی تعلیم کے ماتحت دین کی تائید کو مدنظر رکھتے ہوئے نیچر پر غور کیا جائے گا۔ تاکہ ہم اسلام کی سچائی کی عملی شہادت دنیا کے سامنے پیش کر سکیں اور یورپ کے لوگوں سے کہہ سکیں کہ آج تک تم نیچر اور اس کے ذرّات کی گواہی قرآن کے خلاف پیش کرتے رہے ہو مگر یہ بالکل جھوٹ تھا۔ تم دنیا کو دھوکا دیتے رہے ہو، تم جھوٹ بول کر لوگوں کو ورغلاتے رہے ہو۔ آؤ! ہم تمہیں دکھائیں کہ دنیا کا ذرہ ذرہ قرآن اور اسلام کی تائید کر رہا ہے اور نیچر اپنی عملی شہادت سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راستبازی کا اعلان کر رہا ہے۔ یہ کام بہت مشکل ہے، یہ کام بہت لمبا ہے اور اس کے لیے بہت بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ ابتدائی کام کے لیے بیس ایم ایس سی ایسے درکار ہوں گے جو رات اور دن اِس کام میں لگے رہیں اور اسلام کی تائید کے لیے نئی سے نئی تحقیقاتیں کرتے رہیں۔ مَیں نے بتایا ہے کہ اِس کام پر ستّر ہزار سے ایک لاکھ روپیہ تک سالانہ خرچ ہوگا اور شروع میں کم سے کم اِس غرض کے لیے دولاکھ روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ یورپ میں تو دو دو، چار چار کروڑ روپیہ کے سرمایہ سے ایسے کاموں کا آغاز کیا جاتا ہے اور ممکن ہے ہمیں بھی زیادہ روپیہ خرچ کرنا پڑے مگر ہم امید رکھتے ہیں کہ آہستہ آہستہ یہ انسٹی ٹیوٹ اپنی آمد خود پیدا کرے گی اور مستقل اخراجات کے لیے چندہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔ سرِدست مَیں نے اِس کا سارا بوجھ تحریک جدید پر ڈال دیا ہے جماعت سے کسی علیحدہ چندے کا مطالبہ نہیں کیا۔ مَیں اِس وقت صرف

کالج کے لیے جماعت کے دوستوں کو تحریک کرتا ہوں کہ اپنے لڑکے کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجو اور کالج کے اخراجات کے لیے روپیہ بھی دو۔ ابھی تک لڑکے بہت کم آئے ہیں اور چندہ بھی ضرورت سے بہت تھوڑا اکٹھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری سُستی کو دور کرے اور تمہارے لیے بھی اور میرے لیے بھی اپنے فضلوں کے دروازے کھول دے"۔

(الفضل 31 مئی 1944ء)

---

1 : يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ۝ وَ مَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ۝ (الانفال 16-17)

2 : متی باب 8 آیت 20

3 : کُودن: کند ذہن۔ نادان۔ احمق

4 : ابن ماجه ابواب الفتن بَاب خُرُوجِ الْمَهْدِيِّ

5 : متی باب 12 آیت 46 تا 50

6 : باڑ: بوچھاڑ، یلغار، لگاتار۔ باڑ مارنا (محاورہ) گولیوں کی بوچھاڑ کرنا (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد دوم ترقی اردو بورڈ کراچی)

7 : تفسیر رازی جلد 29 صفحہ 307 مطبوعہ طہران 1328ھ